اقامتِ دین کا مفہوم، ضرورت واہمیت: فکرِ اقامتِ دین کا تضمینی مطالعہ

A Critical Examination of the Concept, Necessity and Importance of "Iqamat-e-Deen"

Inam Uddin
M.Phil Scholar Riphah International University Islamabad
Email: inamuddinturabi@gmail.com

Fida ur Rahman
M.Phil Scholar Riphah International University Islamabad
Email: fidaurrahman2020@gmail.com

Sami ur Rahman
M.Phil Scholar Riphah International University Islamabad
Email: Sami201407@gmail.com

Abstract

The phrase "Iqamat-e-Deen" appears in the Holy Qur'an. Some scholars have understood it in the broadest religious sense. Later, Syed Abul Ala Maududi polished it into a full philosophy and established it as a practical religious practise. Scholars have evidence to back this up. The words utilised in the Noble Quran, as well as the ideas gained from it, form both a scholarly and a philosophical discourse. Scholars in Pakistan and India have interpreted it in these two manners. Both "Al-Hilal" and "Al-Balagh" by Abul Kalam Azaad contain this phrase in both senses. However, in subsequent years, he primarily employed it in accordance with the connotation and meaning of the word used in the Qur'anic context. However, his early writings also include themes about implementing religion. Similarly, Syed Abul Ala Maududi embraced the term as a comprehensive concept. All of his publications, talks, and activities are linked to the idea that "Iqamat-e-Deen" is required, which is also the meaning of the word used in the Holy Qur'an. Both of these ideas exist on the Subcontinent. Islam's recognition and acceptability are acquired here through both jihad and ethics, therefore both of these ideas are prevalent and acceptable.

Keywords: Pakistan, "Iqamat-e-Deen", Definition and Concept, Critical Study, Syed Abul Ala Maududi, Allama Iqbal

اقامتِ دین قرآن مجید میں مستعمل لفظ ہے اور بعض اہلِ علم نے اسے دین کی کامل تعبیر سے گردانا ہے۔ سید ابوالاکلام آزادؒ کے الہلال اور البلاغ کے شماروں میں دونوں معنوں میں اسے لیا گیا البتہ بعد کے ادوار میں انہوں نے فقط اسے لفظ و معنی کے تناظر میں لیا یعنی صرف قرآن مجید کا مستعمل لفاظ کے طور پر۔ جبکہ ان کے ابتدائی تحریرات میں تنفیذِ دین کے مطالب بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسے باقاعدہ ایک فکر کے معنیٰ میں لیا ہے۔ برصغیر میں دونوں فکر کے علمائے کرام موجود ہیں۔ ذیل کے سطور میں انہی مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے ضمن میں بطور فکر و نظریہ اور تحریک کا مطالعہ بھی کیا گیا ہے۔

اقامت دین کا مفہوم

مولانا صدر الدین اصلاحی اقامت دین کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اقامت دین" کی اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے ایک "اقامت" دوسرا "دین"۔ اقامت کا لفظ عربی زبان سے مشتق ہے۔ جب یہ لفظ کسی ٹھوس چیز کے لئے بولا جائے، تو اس وقت اس کے معنی سیدھا کر دینے کے ہوتے ہیں، جیسا کہ سورہ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ [1]۔

یعنی (دیوار ایک طرف کو جھک گئی تھی) اور گرا چاہتی تھی تو اس نے اسے سیدھا کر دیا۔

جب یہی لفظ کسی معنوی چیز کے لیے بولا جائے تو اس وقت اس کا مطلب پورا پورا حق ادا کر دینے کا ہوتا ہے یعنی جو کام بھی سپرد کیا جائے پوری توجہ اور کامل اہتمام کے ساتھ بہترین شکل میں انجام دے دیا جائے مولانا موصوف نے اس مفہوم کو ایک مثال سے سمجھانے کی کوشش کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں نماز کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے "اقامت" کے اس مفہوم کے اعتبار سے نماز کی اقامت یہ ہو گی کہ اسے تمام ظاہری آداب و شرائط اور سارے باطنی محاسن کے ساتھ ادا کیا جاتا رہے۔ اگر اسی لفظ کو دین کے لیے استعمال کی جائے تو اس کا مطلب یہی قرار پائے گا کہ دین کے ماننے والے علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اس کے ماننے کا حق ادا کریں۔ چونکہ "دین" کے لغوی معنی اطاعت کے ہیں جبکہ اصطلاحاً اس سے مراد اللہ کی بندگی کا وہ طریقہ اور انسانی زندگی کا وہ نظام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبرؑ کے ذریعے اس کے بندوں کو عمل درآمد کے لئے دیا گیا ہے۔ "اقامت" اور "دین" کے مفہوموں کو سامنے رکھنے سے اقامت دین کا مفہوم بس یہی قرار پاتا ہے کہ دین پر ایمان رکھنے والے دین کے بنیادی تصورات، اصول اور احکام و ہدایات سے باخبر ہوں اس کے مقصد و منشا کو جانتے ہوں انہیں معلوم ہو کہ وہ اس دنیا میں ان کی کیا پوزیشن ٹھراتا ہے؟ ان کے وجود کی کیا غایت مقرر کرتا ہے؟ اس غایت تک پہنچنے کے لئے کیا راہیں تجویز کرتا ہے؟ اُنہیں کن باتوں کے کرنے اور کن باتوں سے رکنے کا حکم دیتا ہے؟ غرض بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت وہ ان سے اس زمین پر کس طرح رہنے، کیا کرنے اور کیا بننے کا مطالبہ کرتا ہے گویا اقامت دین سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنت کی ایک ایک ہدایت ہر عمل ہو، شریعت کا ایک ایک حکم نافذ ہو اور اصول دین پر حیات ملی کی عمارت کھڑی ہو۔ دیکھنے والوں کو پورا ماحول قرآنی اور پورا معاشرہ ایک متحرک قرآن نظر آنے لگے جس طرح کوئی بلند قامت چیز سیدھی کھڑی کر دینے سے بیک نظر دکھائی دیتی ہے بالکل اسی طرح پورا دین انسانی زندگی پر اس طرح غالب اور نافذ ہو جائے کہ وہ دور دور سے "دیکھ" اور "پہچان" لیا جائے (2)۔

گویا اقامت دین سے مراد محض اُس اسلامی قانون کا نام ہر گز نہیں ہے جو صرف عدالتوں کے ذریعے نافذ کیا جائے بلکہ اس سے مراد وہ پورا نظام ہے جو عقائد سے شروع ہو کر عبادات و اخلاق اور معاملات زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے حضورؐ نے سب سے پہلے جس کام کی طرف سب سے زیادہ توجہ فرمائی تھی وہ لوگوں کا دلوں میں ایمان کی پختگی کا سبق تھا کیونکہ اقامت دین کا کام اس وقت تک انجام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اُس کے نافذ کرنے والے اور جن پر وہ نافذ کیا جا رہا ہے وہ دونوں گروہ اس کے برحق ہونے پر صدق دل سے ایمان نہ رکھتے ہوں اقامت دین کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلام اچھے اور برے کا جو فرق واضح کرتا ہے، خیر و شر کا جو امتیاز دیتا ہے جو انسانی اقدار سکھاتا ہے آدمی ٹھیک ٹھیک اس کو سمجھ لے اور انہیں صحیح مان کر اختیار کرے اگر یہ اخلاق جس لوگوں میں موجود نہ ہو گی وہ شریعت پر راستی اور ثابت قدمی سے نہیں چل سکیں گے۔ اقامت دین کے حوالے سے تیسری اہم چیز جو سمجھ لینے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ یہ نظام انسانی زندگی کے پورے دائرے پر پھیلا ہوا ہے اس میں انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے انفرادی مسائل سے لیکر اجتماعی زندگی کے اہم ترین مسائل تک تمام امور زیر بحث آتے ہیں اسکے نفاذ کا مطلب جزوی نہیں بلکہ کلی ہوتی ہے یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں یعنی تعلیم، تہذیب، ثقافت، معیشیت، معاشرت، تجارت، تمدن، سیاست، عدالت غرض ہر پہلو پر حاوی ہے۔ زندگی کے کسی حصے پر اس کو قائم کرنا اور د وسرے حصوں کو اس سے آذاد قرار دینا کسی حیثیت سے بھی اقامت دین کی تعریف میں نہیں آتا۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک جامع تصور ہے اس کا دائرہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور سارے پہلوؤں پر محیط ہے۔ صرف مسجدوں میں دین قائم کرنا یا چند مذہبی عقائد اور اخلاقی احکام کی تبلیغ کرنا اقامت دین نہیں ہے بلکہ اس سے مراد گھر سے مسجد، منڈی سے بازار، مکتب سے یونیورسٹی، تھانے سے لیکر چھاونی، نچلی سطح کی عدالتی ادارے سے لیکر سپریم کورٹ اور پارلیمنٹ سے ایوان و وزارت سفارت خانے تک حکومت الہیہ کا قیام اقامت دین کہلاتا ہے[3]۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اقامت دین کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو لوگ اقامت دین سے مراد صرف چند رسوم عبادات کی ادائیگی لیتے ہیں نہایت سطحی رائے ہے اگر اسکی اصلاح نہ کر دی جائے تو یہ اگے بڑھ کر دین و شریعت کی اس تفریق تک جا پہنچے گی جس میں مبتلا ہو کر سینیٹ پال نے دین بلا شریعت کا نظریہ پیش کیا تھا اور عیسی علیہ السلام کی امت کو تباہ کر دیا تھا قرآن مجید کو انکھیں کھول کر پڑھنے سے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو ملغوبانہ حیثیت میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا پروگرام نہیں دے رہی ہے بلکہ یہ علانیہ اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے یہ اپنے پیروؤں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دین حق کی فکری، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی و سیاسی حیثیت سے غالب کرنے کے لئے جان لڑا دیں[4]۔

مولانا مبشر احمد صاحب اقامت دین کا مفہوم واضح کر کے لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بادشاہی و شہنشاہی کا پورے اخلاص وعقیدت یک رنگی ویکسوئی اور حسن سیرت وکردار سے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرنا اور اس کے مطابق اللہ ہی کے قانون عدل وانصاف کو اللہ کی زمین میں اللہ کی بندون پر پوری رواداری اور یقین اطمینان کے ساتھ نافذ وجاری کرنا اقامت دین ہے[5]۔

اقامت دین کی ضرورت

دین اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اس نعمت کی صحیح قدر شناسی ہی میں فلاح انسانی کا راز پوشیدہ ہے یہ کام گو کہ مشکل ہے تاہم مشکل سے زیادہ ضروری بھی ہے دین کی قدر شناسی صرف اس کے فضائل گنوانا نہیں ہے۔ اور نہ اپنے ذوق سے اس کی صورت گری کرنے اور اپنے اجتہاد سے اس کی راہ ومنزل متعین کرنے کا نام ہے بلکہ اس کی اصل قدر شنائی یہ ہے کہ اس کو اس کی اصل شکل میں دیکھا جائے۔ اس کے ساتھ فکری، علمی، جزباتی، غرض ہر پہلو سے نگاو پیدا کیا جائے۔[6]

اللہ رب العلمین حاکم تشریعی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنی نعمتوں کے خزانے بہائے ہیں اس طرح انسان کی روحانی، اخلاقی اور تہذنی زندگی کے لیے کامل اور عدل وانصاف پر مبنی نظام حیات بھی عطا کیا ہے۔ جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لئے قوانین اور ہدایات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین ہر لحاظ سے کامل اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے ہر دور کے لئے موذوں اور مناسب ہے اس کے احکام وقوانین کسی خاص فرد یا قبیلے تک محدود نہیں بلکہ پورے نوع انسانی کے لئے مصلحت اور نجات ہر مبنی ہیں۔ اب یہ تصور کرنا کہ خدائے بزرگ وبرتر نے اپنے مقدس ومعصوم انبیاءورسل کے ذریعے عقائید وعبادات کے احکام نازل فرمائے ہیں۔ مگر معاشرتی، معاشی تمدنی اور سیاسی احکام وقوانین نازل نہ کیے ہوں اسلام پر درست یقین نہ رکھنے کے مترادف ہے۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَى الدِّیْنِ كُلِّه ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا [7]

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

سورة الفتح میں یہی مضمون دیگر الفاظ کے ساتھ کچھ یوں آیا ہے۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَه بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَه عَلَى الدِّیْنِ كُلِّه وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ [33]

اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔[8]

تینوں آیات کریمہ میں آپ کی بعت کا مقصد یہی بتایا گیا ہے۔ کہ وہ دین اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے گا۔ جس کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ دین برسر اقتدار ہو۔ سورۃ الشوریٰ میں رسول اللہ اور پوری امت مسلمہ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ کہ وہ دین کو قائم کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ [9]

اُس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اُس نے نوحؑ کو دیا تھا، اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں، اِس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اِس دین کو اور اُس میں متفرق نہ ہو جاؤ یہی بات اِن مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف اے محمدؐ تم انہیں دعوت دے رہے ہو اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے، اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اُسی کو دکھاتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرے۔

ائمہ لغت کی تحقیق روشنی میں اقامت دین سے مراد دین کو قائم کرنا، نافذ کرنا، جاری کرنا، مضبوط و مستحکم کرنا اور درج وشہرت دنیا یعنی اس کو غالب کرنا ہے۔

فریضہ اقامت دین کی آدائیگی اور غلبہ دین کے لئے تعلیم و تبلیغ اور تزکیہ وارشاد کی کوششوں کے ساتھ اسلامی ریاست کے قیام اور حصول اقتدار کی کوشش کرنا بھی فرائض نبوت میں شامل ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیم وتربیت میں آغاز ہی سے سیاسی تصور بھی موجود تھا اور آغاز ہی سے سیاسی آثرات پیدا کرنے کی تدابیر بھی آپ نے اختیار فرمائی تھیں۔ اپنی تعلیمات وتدابیر کی روشنی میں مدینے کی ریاست آپ کی قیادت میں قائم ہوئی تھی۔[10]

اس وقت ایک المیہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے سامنے اقامت دین کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا ہے تو ہر خاص وعام کی زبان سے یہی بات نکلتی ہے کہ "دین تو قائم ہے پھر دین قائم کرنے کے کیا معنی" دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں مسجدیں قائم ہیں۔ ان مسجدوں میں امام اور موذن بڑی بڑی تنخواہوں پر موجود ہیں آذان کی صدائیں پانچ وقت گونجتی رہتی ہیں۔ نماز باجماعت کا ہر وقت اہتمام ہوتا رہتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں روزون کے اہتمام کے ساتھ ساتھ نماز تراویح بھی خوش الحان قاریوں کے پیچھے ادا کی جاتی ہیں۔ عیدیں کی نمازیں پڑھنے کے لئے مسلمان

اس کثرت سے جاتے ہیں کہ عید گاہوں میں جگہ کم پڑ جاتی ہے۔ جگہ جگہ میلاد کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ علمائے کرام کے وعظ اور پر جوش تقریریں ہر وقت سننے کو ملتی ہیں۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد خیرات وصدقات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی دینداری کا معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہوجاتا بلکہ ہر سال ہزاروں لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ پر بھی جاتے ہیں۔

آج کل مسلمان اپنی خیالات وتصورات کی بھول بھلیوں میں پھنس کر "اقامت دین" کی جدوجہد سے یکسر بے نیاز ہورہے ہیں وہ ایک منٹ کے لئے بھی یہ سوچنا گوارا نہیں کرتے کہ کیا انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور اگلے مسلمانوں کے اسلام کے خدوخال بھی ایسے ہی تھے۔ جیسے آج ان کے ہیں۔ کیا ان کے مسجدوں میں بھی بیش قیمت جھاڑ وفانوس لٹکے ہوئے تھے کیا ان کے عبادت گاہوں میں بھی اعلیٰ درجے کے قالین بھی ہوتی تھیں۔ کیا آج ہی کے مسلمانوں کی طرح وہ بھی سودی قرض لے کر عیدیں منایا کرتے تھے؟ کیا ان کے نوجوان بھی ہارمونیم اور ڈھولک بجانے کے شوقین تھے۔

کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں نہیں فرمایا تھا کہ خدا کی قسم اگر مسلمان اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی دینے سے بھی انکار کردیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا؟

کیا امام حسینؓ نے اپنی اور اپنے نونہالوں کی گردنیں نہیں کٹوادی تھیں کہ ایک فاسق وفاجر کا اقتدار اقامت دین کی راہ میں مضر تھا؟ کیا اس وقت کوئی مسلمان سینما کا ڈائریکٹر تھا؟ کیا کوئی مسلمان کہلانے والی عورت طوائف یا ایکٹرس تھی؟ کیا مسلمان شراب خانوں اور فحاشی اور عریانی کے اڈوں کی رونقیں بنتی تھیں؟ کیا اسلام ہی کے نام پر اسلام کی جڑ کاٹنے والے خیالات وعقائید کی پیروی کیا کرتے تھے۔ کیا حضور اوران کے جان نثاروں نے طاغوتی طاقتوں کی فرمان روائی کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت کیا تھا؟[11]۔

جب کسی ملک میں اسلام کا دائرہ چند انفرادی عبادات اور معاشرتی مراسم کی آدائیگی تک محدود رہ گیا ہو، جب اسلام غالب تطام کی حیثیت سے قائم ونافذ نہ ہو تو ہر مسلمان کی جدوجہد اور مساعی کا اصل ہدف "اقامت دین" ہونا چاہیے اس کے لئے محنتیں کرنا، جان ومال کھپادینا، سر دھڑ کی بازی لگادینا عین تقاضا ایمان اور نجات اخروی کا لازمی جز ہے[12]۔

مطالبات دین

جب تک ظالمانہ قوانین، سارے ابلیسانہ اصول اور سب کے سب غلط نظرئے وتصورات ایک ایک کر کے اور گن گن کر ختم نہ کروائے جائیں۔ اس وقت تک مسلمان اقامت دین کے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ اسلام کا مطالبہ صرف یہی ہے کہ وہ دینی اصولوں کے تحت پوری قوت کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد کرتے رہیں دین ایک روز میں ہو یا ہزار برس میں اس کی ذمہ داری ان پر نہیں بلکہ اللہ رب العلمین پر ہے۔ جدوجہد کرنے والے بہر حال اپنے

فرض سے عہدہ برآ اور اجر عظیم کے مستحق قرار پائیں گے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے بنیادی واجبات میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنی حکومت قائم کریں کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں دین کے بہت سے اجتماعی احکام پر عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسانیت کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے اس کے بقاءوارتقاء کے قوانین بھی اسی نے بنائے ہیں اگر انسان اپنے خالق ومالک کے بنائے ہوئے قوانین وضوابط سے ہٹ کر زندگی کی گاڑی کو چلانے کی کوشش کرے گا تو وہ ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ دین کو مکمل طور پر نافذ کر دیا جائے[13]۔

اقامت دین اور اس کی فرضیت کی انفرادی اور اجتماعی دو سطحیں ہیں۔ انفرادی طور پر اقامت دین سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی ذات پر دین قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اسے اللہ کی اطاعت میں دے دے یہ کام ہر فرد پر انفرادی لحاظ سے فرض ہے۔ کسی دوسرے فرد کے کرنے سے اس فرد سے اس کا مطالبہ ختم نہیں ہو سکتا البتہ ایک معاشرے اور ملک وریاست کی سطح پر اقامت دین کا معاملہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے اس میں امور سیاست، قضا، امن وآمان کا قیام اور امور سفارت ومعیشت وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس بات پر اگلے پچھلے تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ ریاست وحکومت کی سطح پر "دین کا قیام" دین کے اہم فرائض میں سے ایک ہے۔ عظیم مورخ، فلسفی، فقیہ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے کیونکہ اس کا وجوب شریعت سے، صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اس حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کو، قضا کو، علوم دینیہ کے زندہ کرنے کو، ارکان اسلام کے قائم کرنے کو، بلاد اسلامیہ سے کفار کے بے دخل کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی دینی جدوجہد کا مرکزی نکتہ اسی دینی فریضہ کو قرار دے کر کہتے ہیں۔ کہ ہر مسلمان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اقامت دین اور شہادت علی الناس کے لئے پوری طرح وقف کر دے[14]۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ اقامت دین کو امت مسلمہ کے ہر ایک فرد کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ صرف تبلیغ سے اقامت دین کا فریضہ انجام نہیں پاتا بلکہ اقامت دین کے کام کا آغاز اس نکتے سے ہوتا ہے۔ جہاں تبلیغ کا کام ختم ہو جاتا ہے وہ تبلیغ کو اقامت دین کی تمہید قرار دیتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں اقامت دین کو انبیاء علیہ السلام کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے چونکہ ہم انبیاء کے وارث ہیں اس لئے بحیثیت وارث وہی ذمہ داری ہمارے اوپر عائد ہوتی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی بادشاہی وشہنشاہی کا پورے اخلاص وعقیدت، یک رنگی دیکسوئی اور حسن سیرت وکردار سے ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرنا اور اس کے مطابق اللہ ہی کے قانون عدل وانصاف کو اللہ کی زمین میں اللہ کے بندوں پر پوری رواداری اور یقین واطمینان کے ساتھ نافذ وجاری کرنے کا نام اقامت دین ہے۔

اقامت دین کی اہمیت:

اقامت دین کی اہمیت درجہ ذیل باتوں سے مزید واضح ہو جاتی ہے۔

1۔ نفاذ شریعت فریضہ نبوت ہے:

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی شریعت سے بغاوت اور نفسانیت پر مبنی فرقہ واریت کا ذکر کرنے کے بعد اپنے آخری نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ [15]

اس کے بعد اب اے نبیؐ، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت اُن لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔

ان آیات سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ نفاذ شریعت اور اتباع شریعت کا حکم اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت محمدؐ کو دیا ہے اس لیئے یہ فریضہ رسالت اور کار نبوت ہے اور جو شخص بھی محمدؐ کے امتی ہونے کا دعویدار ہے آپؐ کی شفاعت کی امیدوار ہے اس کا فرض ہے کہ وہ خود بھی شریعت کی پیروی کرے اور نفاذ شریعت کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائے دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں کسی مخصوص حکم اور کسی مخصوص شعبے کا ذکر نہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ پوری زندگی کو شریعت کے سپرد کر دیا جائے۔ تیسری بات یہ بیان کر دی گئی ہے کہ حق وباطل کی کشمکش ہر وقت جاری رہے گا اور باطل پرست شریعت کی بالادستی کو قبول کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہونگے پس تم اس کشمکش میں پوری دلجمی اور استقامت کے ساتھ شریعت کے راستے پر چلتے رہو۔ چوتھی بات یہ ثابت ہوئی کہ شریعت کے باغی ظالم ہیں[16]۔

2۔ نفاذ شریعت اُمت محمدی تک محدود نہیں

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ [17]

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف اُمتوں کے لئے ان کے حالات و مصالح کی

مناسبت سے عملی قوانین اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے تھے اور ہر دور کے نبی اور اس کی امت کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگرچہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی رہا ہے جس طرح اقامت یعنی اللہ کے احکام کی اطاعت پر مبنی زندگی کو تمام شعبون پر قائم کرنا انبیاء کرام کا فریضہ رہا ہے اسی طرح ہر دور کی شریعت کا نفاذ بھی تمام انبیاء کا فریضہ نبوت اور تمام امت سابقہ کا فرض منصبی قرار پایا ہے۔

3۔ نفاذ شریعت تقاضا ایمان ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا [18]-

نہیں، اے محمدؐ، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کو ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کیا جائے اس آیت کی مفہوم سے یہ بات واضح ہے کہ جو شخص چاہے وہ انفرادی لحاظ سے ہو یا اجتماعی سطح پر بہر حال شریعت محمدی کی بالادستی تسلیم کرنے اور اس پر فیصلہ کروانے کے لیے تیار نہ ہو اور نفاذ شریعت پر راضی نہ ہو وہ مومن کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے

4۔ شریعت اللہ کی ہدایت اور اس کی رحمت ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک ہے اس کی بادشاہت ہر لحاظ سے کامل ہے اس لئے اس کی بھیجی ہوئی شریعت بھی ہر لحاظ سے بے عیب اور بے نقص ہے اور بندون کی رہنمائی کے لئے سراسر رحمت ہیں۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا [19]

ہم اِس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔

شریعت کے رحمت ہونے کے کئی پہلو ہیں ایک پہلو تو یہ ہے کہ یہ بندون کو بندون کی غلامی سے نجات دلاتی ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ عقل انسانی کا وضع کردہ نہیں ہے یہ دنیا اور آخرت دونوں میں صلاح وفلاح کی ضمانت دیتی ہے تیسرا پہلو یہی ہے کہ اس میں پوری انسانیت کی مصلحت ومنفعت اور مکمل وحقیقی انصاف کی ضمانت موجود ہے یہ کسی خاص طبقے یا خاص دور تک محدود نہیں ہے۔

5۔ سماوی وارضی برکات کا ذریعہ ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا [20]

اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، مگر اُنہوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اُس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا جو وہ سمیٹ رہے تھے۔

نفاذ شریعت زمینی واسمانی برکتوں اور رحمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ دین کو قائم کرنے کے نتیجے میں دنیا میں ضروریات زندگی کی فراوانی نصیب ہوگی اور زندگی میں برکت کے ساتھ ساتھ امن و سکوں میسر ہوگی۔ بعض مفسرین نے نفاذ شریعت کو برکتوں اور سعادتوں کے خزانہ کی کُنجی قرار دیا ہے۔

6۔ تمکین فی الارض

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [21]

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی روشنی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ آپ کی امت کو زمین کا مالک بنادے گا، ملک ان کی وجہ سے آباد ہوگا، بندگانِ رب دل شاد ہونگے، حکومت ان کی ہوگی، سلطنت ان کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ اس طرح پورا ہوگیا کہ آپؐ کی حیات طیبہ ہی میں مکہ، خیبر، بحرین، جزیرہ عرب اور یمن فتح ہوگیا[22]۔ مولانا ابولکلام آزاد اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی داعی مذہب دنیا کی کوئی صالح قوم، دنیا کا کوئی اولولعزم پیغمبر اپنے مقاصد میں سلطنت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا چنانچہ دنیا میں جب کوئی صالح قوم پیدا ہوئی ہے، اس نے نیکی پھیلانے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی الہیٰ خدمت انجام دینے کی ذمہ داری اٹھائی ہے تو خدا نے اسے ہمیشہ صاحب تخت وتاج بنایا ہے اللہ تعالیٰ اسی سنت جاریہ کے مطابق مکہ میں ایک قوم ایمان لائی اور اس نے عمل صالح اختیار کرلی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کا خلیفہ بنایا[23]۔

7۔ خیر کثیر کی فراوانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوْا خَيْرًا ۗ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ [24]

دوسری طرف جب خدا ترس لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ "بہترین چیز اتری ہے" اِس طرح کے نیکوکار لوگوں کے لیے اِس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی ان کے حق میں بہتر ہے بڑا اچھا گھر ہے متقیوں کا۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل ملے گا اور آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا پوچھنا ہی تو کیا جس کے مقابلے میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ ہیں یعنی جنتیوں کو ہر قسم کی راحت اور روحانی مسرت وہاں پر حاصل ہوگی [25]۔ یعنی احکام شریعت پر عمل کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں بھی اچھی زندگی نصیب ہوگی یعنی جان ومال کی حفاظت، دوسروں کی نظر میں میں قابل تعریف بن جانا، دشمنوں پر کامیابی کے دروازے کھلنا، تندرستی، مال ودولت کی فراوانی ناموری ،عزت حکومت جیسی نعمتیں حاصل ہونگی۔

8۔ حیات طیبہ کا وعدہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّه حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [26]

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشر طیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

اس آیت کی ے تفسیر میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو پاکیزہ اور پُر لطف زندگی عطا کریں گے یعنی بلاضرورت بڑھانے کی حرص ان میں نہیں ہوگی جو انسان کو ہر وقت پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے ان میں قناعت ہوگی اور اگر تنگ دستی یا بیماری بھی پیش آئے گی تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مکمل یقین اور مشکل کے بعد آسانی ملنے کی قوی اُمید ان کی زندگی کو کبھی بے لطف نہیں بنادے گی آخرت میں اس کا بدلہ دائمی اور عظیم الشان نعمتوں کی صورت میں ملے گا [27]۔

9۔ تنگدستی کا خاتمہ

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری اپنی کتاب رحمت للعالمین میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی معاشی تنگدستی کو اس طرح خوشحالی میں تبدیل کر دیا کہ صحابہ کرامؓ کو اپنی دولت اور غنا کے بارے میں ٹھیک اندازہ نہ ہونے لگا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے وفات کے بعد ان کے ترکے میں نقد واسباب کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو اونٹ رہ گئے تھے(28)۔

10۔ نصرت خداوندی

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (29)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جمادے گا۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی تفسیر تیسیر القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس راستے میں ضرور ان کی مدد فرمائے گا اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آنے دے گا بندہ کا کام یہ ہے یہ وہ صرف اقامت دین کے لئے کمربستہ ہوجائے کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے(30)۔ نصرت خداوندی کا نظارہ دنیا نے دیکھ لیا کہ صرف تیرہ سالہ مختصر مکی زندگی کے بعد فتوحات کا دروازہ کھلا پہلے ہی معرکے میں مکمل بے سروسامانی کے باوجود کامیابی ملی اس کے بعد یکے بعد دیگرے فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا دنیا کے مختلف ممالکوں میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی اور بعض ایسے ممالک بھی ہیں جہاں عہد فاروقی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کی حکومت قائم ہے۔

11۔ امن وسلامتی

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (31)-

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے، اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اقامت دین کے نتیجے میں خلافت عظمیٰ کا قیام، دین حق کا استحکام اور خوف کے بعد امن کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے براہ راست مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورؐ کے عہد میں موجود تھے البتہ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو بالواسطہ پہنچتا ہے یہ وعدہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت کی جاری تھی جب حالت خوف مسلمانوں پر طاری تھی اور دین اسلام ابھی حجاز کی سر زمین میں پوری طرح جڑ نہیں پکڑی تھی لیکن چند سال بعد حالت خوف نہ صرف حالت امن سے بدل گئی بلکہ اسلام عرب سے نکل کر ایشیاء اور اور افریقہ کے بڑے حصے پر چھا گیا اور اس کی جڑیں اپنی پیدائش کی زمین ہی میں نہیں کرہ ارض میں جم گئیں یہ اس بات کا تاریخی ثبوت ہے کہ دور خلافت راشدہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا(32)۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ بھی اپنی سیرت کی کتاب رحمت للعالمین میں اس آیت کریمہ کے حوالے سے وضاحت کرتے ہیں کہ اس میں امن بسیط، آسائش تام اور رفاہیت کامل کا اظہار ہے جو دور خلافت راشدہ میں حاصل ہوا تھا اور سرور عالمؐ کی وہ پیشن گوئی جو آپؐ نے عدی بن حاتمؓ سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ لے گا کہ ایک عورت صنعا سے تنہا چل کر حج کرے گی اور راستے میں اسے خوف الہیٰ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا اس کا ظہور بھی زمانہ خلافت ہی میں پورا ہوا(33)۔

12۔ اتحاد و اتفاق کا عملی مظاہرہ

مدینہ منورہ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ تمام متحارب گروپ اور مختلف قبائل کے درمیان صدیوں سے جاری طویل جنگ کی ابتلا کی روایت ختم ہوئی حضورؐ نے ریاست مدینہ کا چارج سمبھالتے ہی مدینہ کا داخلی نظم ونسق اس طرح طے فرمادیا کہ فوری طور پر مواخات کا نظام قائم کر دیا۔ مہاجریں اور انصاری خاندانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کا ایسا عملی مظاہرہ دیکھنے کو ملا کہ دونوں قبائل کے افراد خاندانی تنوع کے باوجود ایک ہی خاندان کے فرد قرار پائے اس کے علاوہ آپؐ نے ۵۲ دفعات پر مشتمل ایک آئینی دستاویز اور بجا طور پر انسانی تاریخ کا پہلا تحریری استور مرتب کر کے تمام تنفیذی اور تشریعی اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لئے(34)۔

13۔ فلاحی سرگرمیوں کا اِجراء

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی معاشرے میں صحیح معنوں میں فلاحی سرگرمیوں کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب ایک اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آجائے صحیح اسلامی فلاحی ریاست کا تصور چونکہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت راشدہ میں دیکھنے کو ملتا ہے اس لئے عہد نبیؐ میں آپؐ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو علم کی طرف راغب کیا اور مسلمانوں پر علم کے حصول کو فرض قرار دیا تاکہ وہ ایک مسلم دنیا کے رائج علوم میں ماہر ہو کر اپنی دنیاوی اور اخروی

زندگی کو آساں بنا سکے اسلام سے قبل عرب میں علاج کرانا ایک لحاظ سے ہر شخص کا ذاتی یا زیادہ سے زیادہ خاندانی مسئلہ تصور کیا جاتا تھا شفاخانوں اور ہسپتالوں کا کوئی وجود نہ تھا عہد نبویؐ ہی میں مسجد نبوی کے قریب ایک خیمہ نصب کیا گیا جہاں جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدین کی مرہم پٹی کی جاتی تھی آپؐ نے دینی مراکز کے قیام خصوصاً مساجد کی تعمیر کی طرف خصوصی توجہ دی اس وقت مساجد عبادت کے علاوہ مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی اور سیاسی مراکز کی بھی حیثیت رکھتی تھیں جہاں مختلف رفاہی امور سرانجام پاتے تھے نیز مسافر خانوں کی تعمیر، پانی کی سہولیات کی فراہمی، ذرائع امور کی درستگی، شجرکاری اور خدمت خلق کے کاموں کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جانے لگی[35]۔

خلاصہ

احمد تقی الدین ابن تیمیہ کا زمانہ مسلم ریاستوں میں افراتفری کا دور تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے ریاست و معاشرہ کے آغاز کے بارے میں نظریات پیش کرنے کے بجائے اپنی توجہ اپنے زمانے کے حالات پر مرکوز کی اس وقت کی مناسبت سے آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی سیاست کے رہنما اصول مرتب کرنے کی کوشش کی ان کے افکار ان کی تصانیف السیاسۃ الشرعیہ، منہاج السنۃ اور الامامۃ والسیاسۃ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں امام ابن تیمیہ اگرچہ انسانی مساوات کے علمبردار ہیں تاہم آپ نے انہیں صلاحیتوں کے لحاظ سے اور دین میں بصیرت کے حوالے سے چار درجوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ غلبے کے خواہاں ملوک ورؤساء

۲۔ فساد کے خواہاں جرائم پیشہ افراد

۳۔ اہل مذہب برتری کے خواہاں

۴۔ اہل جنت یعنی افضل وبرتر گروہ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ[36]

وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لیے ہے۔

گویا آپ نے عاجزی وانکساری سے مزین نیکوکار سادہ لوگوں کو مملکت کے مثالی اور قابل تقلید شہری قرار دیا ہے آپ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ انسانی معاشرے کی تعمیر واصلاح صرف احکام شرعیہ کی تنفیذ کے ذریعے ممکن ہے آپ نے اجتماعی معاملات کی تنظیم کاری کو سیاست کا نام دیا ہے اور اسے اقامت دین اور قرب الٰہی کے ذریعے ضروری قرار دیا ہے وہ دین وسیاست میں تفریق کو نہیں مانتے آپ نے السیاسۃ الشرعیۃ میں واضح کیا ہے کہ معاشرتی تنظیم واجتماع کی عدم

موجودگی میں انسانی حاجات کی تکمیل نہیں ہو پاتی لہذا امام ان تیمیہ نے امامت کے قیام کو امت کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ اجتماعی نظم وضبط، خیر صلاح، عدل وانصاف اور عبادت کی منظم ادائیگی اسی صورت میں ممکن ہے جب امت ایک امام کے تحت ریاست منظم کرے اس لئے یہ دین کا لازمی حصہ ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فرض پورا کرنے کے لئے تو اس کے بغیر چارہ نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب کیا ہے جو کہ قوت وامارت کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا اور اسی طرح سارے واجبات یعنی جہاد وقتال، عدل وانصاف کا قیام مظلوموں کی مدد اور حدود وتعزیرات کا نظام سب کچھ قوت وامارت کے بغیر ممکن نہیں۔ امام ابن تیمیہ ایک طرف اگر امامت کے قیام کو امت کے لئے ضروری قرار دیا ہے تو دوسری طرف آپ نے امام کے انتخاب کا طریقہ کار اور خلیفہ کے اوصاف کی فہرست بھی پیش کی ہے اس سلسلے میں آپ نے خلفائے راشدین کے عہد کو بطور مثال پیش کر کے مسلمان حکمرانوں کو انہیں جیسا بننے اور ان کی پیروی کرنے کا مشورہ دیا ہے انہوں نے امام کی تقرر کو من جانب اللہ اور مسلمانوں کے لئے اس کی اطاعت کو اولی الامر کی حیثیت سے لازم قرار دیا ہے نیز آپ نے اختیارات حکومت کو امام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت قرار دیا ہے گویا آپ نے امت مسلمہ کی ضرورت کے پیش نظر نہ صرف ایک صاحب قوت وامارت خلیفہ کے انتخاب پر زور دیا ہے بلکہ آپ نے امام کو عمال کے تقرر میں افراد کی اہلیت پرکھنے کی تاکید بھی کی ہے اور ایسے لوگوں کو عہدے نہ دینے کی سفارش کی ہے جو عہدوں کے خواہش منداور جستجو رکھتے ہوں(37)۔

امام الماوردی(۹۷۴۔۱۰۵۸) نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں قرآن وسنت سے استدلال، صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال سے حجت اور غیر مسلمون کی تاریخی حقائق سے مثالیں لے کر ایک جامع دستاویز مرتب کی ہے جو کہ ایک مثالی اسلامی حکومت کا نقشہ پیش کرتی ہے اس کتاب میں الماوردی خلافت یا امامت (حکومت) کا قیام اجتماع انسانی کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں نیز آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ خلافت نبی کریم ﷺ کی جانشینی کا نام ہے اس کا قیام دین کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اور دنیاوی انتظام ٹھیک کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے(38)۔

امام غزالیؒ ۱۰۵۸۔۱۱۱۱) کے خیال میں اجتماع انسانی کو تنازعات سے بچانے اور خون خرابے سے محفوظ رکھنے کے لئے امامت ضروری ہے اور امامت کے وجوب سے انکار اس کے فوائد اور دنیا کے مسائیل کے حل کے حوالے سے ممکن نہیں ہے(39)۔

ان تمام باتوں کے مطالعہ کے بعد یہ تصور ذہن میں ابھرتا ہے کہ شریعت کے دامن میں کتنا عادلانہ اور کتنا حکیمانہ اور کتنا متوازن نظام موجود ہے اگر اس نظام کو پوری جامعیت کے ساتھ نافذ کر دیا جائے تو معاشرے سے رنجشیں ختم ہو جائیں گی۔ امیری اور غریبی کا فرق دور ہو گا، طبقاتی کشمکش کا خاتمہ ہو گا حسد، فساد اور نفرت کی جگہ

اخوت بھائی چارگی، محبت، ہمدردی اور مساوات کے جذبات پروان چڑھیں گی پورا معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ دین اسلام اور حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت دنیامیں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے ہی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا میں حضورؐ کی رحمۃ للعالمین کا سب سے بڑا مظہر بھی ہے اگر اس نظام کو زندگی کے تمام شعبوں میں قائم اور نافذ کیا جائے تو اسی میں ہمارے تمام مسائیل کا حل موجود ہے اسی نظام کے قیام میں ہمارے تمام دکھوں کا مداوا ہے اور اسی کے نتیجے میں ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت ور حمت کے حق دار بن سکتے ہیں۔

حوالہ جات

1. الکھف:18، 77
2. اصلاحی، صدرالدین، مولانا، فریضہ اقامت دین، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، 1981ص 11۔
3. سُمیہ طفیل، پروفیسر، راہ نجات، سُمیہ طفیل 6-c منصورہ لاہور نومبر 2014، ص435۔
4. مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، سیرت سرور عالم، جلد اول، ادارہ ترجمان القرآن لاہور 1978ص 370۔
5. منہاج لاہور، جنوری۔ اپریل 1991ص 270۔
6. اصلاحی، صدرالدین، اساس دین کی تعمیر، اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1969ء، ص5
7. التوبۃ9:33
8. الفتح48:28
9. الشوریٰ:42، 13
10. گوہر رحمن، مولانا، اسلامی سیاست، دارالعلوم تفہیم القرآن مردان 1981ء، ص166
11. شید اقادری، ڈاکٹر، اقامت دین کی ضرورت، مکتبہ تعمیر انسانیت موچی دروازہ لاہور، س ن، ص4۔
12. اسرار احمد، ڈاکٹر، مکتبہ تنظیم اسلامی ماڈل ٹاون لاہور ۱۹۷۸، ص ۳
13. نفاذ شریعت نمبر، جنوری، اپریل 1991ء ص274
14. حکمت قرآن اکتوبر تا دسمبر 2011ء، ص3۔
15. الجاثیۃ45:18,20
16. گوہر رحمن، نفاذ شریعت اور اتحاد امت، مکتبہ تفہیم القرآن مردان اکتوبر 2000ص 105۔
17. المائدۃ:5:48

18. النساء65:4
19. الإسراء82:17
20. الأعراف96:7
21. النور55:24
22. عمادالدین، حافظ، ابوالفدا ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، 2006ص403۔
23. غلام رسول، مہر، رسول رحمت، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور س ن، ص626۔
24. النحل30:16
25. شبیر احمد، عثمانی، تفسیر عثمانی، تاج کمپنی کراچی، مارچ۱۹۵۸ص۲۵۷۔
26. النحل97:16
27. محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، ۱۹۸۲جلد پنجم ص۳۸۶۔
28. منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور، ۲۰۱۲ص۴۹۵۔
29. محمد7:47
30. گیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، تیسر القرآن، جلد چہارم مکتبہ اسلامی لاہور، ۲۰۰۲ص۲۲۴۔
31. النور55:24
32. مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، جلد سوم، ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۶، ص۴۱۹۔
33. منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی رحمۃ للعالمین جلد دوم، ص۵۰۲۔
34. محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران اردو بازار لاہور مئی۲۰۰۷، ص۳۳۵۔
35. عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، اسوہ کامل، نشریات اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹، ص۴۷۹۔
36. القصص83:28
37. علوی، مستفیض احمد، ڈاکٹر، ریاست و حکومت کے اسلامی اصول، پورب اکادمی اسلام آباد، جون۲۰۱۰
38. ایضاً ص۱۶۰
39. ایضاً ص۱۶۷